

دین و دانش

نقیب ختم نبوت (8) جولائی 2004ء

عربی خطاب: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ
ترجمہ: مولانا عتیق الرحمن سنہلی (برطانیہ)

غارِ حرا کی روشنی میں

عالم اسلام کے عظیم مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل میں بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے اسلام کی خوب خدمت کی اور امت مسلمہ کی صحیح سمت میں رہنمائی فرمائی۔ اردو تو ان کی اپنی زبان تھی لیکن عربی زبان و ادب میں انہوں نے جو مقام حاصل کیا، وہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا۔ نتیجتاً اُن کا پیغام عرب دنیا تک پہنچا اور عالم عرب بھی اُن کا گرویدہ ہو گیا۔ ”غارِ حرا کی روشنی میں“ علی میاں رحمہ اللہ کی عربی زبان میں ایک تقریر ہے جو ۱۹۶۰ء کے عشرہ میں سعودی ریڈیو سے نشر ہوئی جسے مولانا عتیق الرحمن سنہلی (حالِ مقیم لندن، خلف الرشید مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ) نے اردو میں منتقل کیا اور جناب انعام اللہ خان (سیکرٹری جنرل مؤتمر عالم اسلامی) نے شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۹ء میں مکتبہ ملی کراچی سے شائع کیا۔ مولانا کی یہ ایمان افروز نایاب تقریر ہدیہ قارئین ہے۔ (ادارہ)

میں جبلِ نور پر چڑھا اور اس کے غار پر جو کہ غارِ حرا کے نام سے مشہور ہے جا کھڑا ہوا۔ یہاں پہنچ کر میں نے اپنے دل میں کہا۔ یہی جگہ ہے جہاں خداوند کریم نے حضرت محمد ﷺ کو پیغمبری کا شرف عطا فرمایا اور پہلی مرتبہ وحی نازل فرمائی۔ پس (یہ کہنا حق ہے کہ) یہیں سے وہ آفتاب طلوع ہوا جس کی کرنوں نے دنیا پر نور برسایا اور اسے ایک نئی زندگی بخشی۔ یہ عالم ہر دن ایک نئی صبح کو خوش آمدید کہتا ہے لیکن اکثر و بیشتر نہ اس صبح میں نیا پن ہوتا ہے نہ کوئی ندرت اور نہ ہر صبح صبحِ سعادت، ان صبحوں کی آمد سے انسان تو جاگ جاتے ہیں۔ مگر دلوں کی نیند میں ذرا فرق نہیں آتا اور روحوں کی بستی یونہی خوابِ غفلت میں پڑی رہتی ہے۔ کیا شمار ہے ایسے تاریک دنوں کا اور ایسی جھوٹی صبحوں کا۔ البتہ اس غار سے حقیقی معنی میں صبح صادق نمودار ہوئی تھی جس کے نور نے ہر چیز کو چمکایا اور اس کی آمد نے ہر شے کو جگایا اور اسی صبح سے تاریخ کا رخ مڑا اور زمانہ کا رنگ بدلا۔

اس صبح سے پہلے انسانی زندگی کا فطری بہاؤ رکا ہوا تھا۔ اس کے ہر دروازہ پر بھاری بھاری قفل چڑھے ہوئے تھے اور وہ گویا چند مقفل دروازوں اور کچھ بند تالوں کا مجموعہ بنی ہوئی تھی۔ عقل پر قفل چڑھے ہوئے تھے جن کو کھولنے سے حکماء اور فلاسفہ عاجز تھے، ضمیر انسانی مقفل تھا جس کو آزادی دلانے سے واعظین اور مصلحین عاجز تھے۔ قلوب انسانی مقفل تھے جن کے قفل توڑنے میں قدرت کی نشانیاں اور زمانہ کے عبرت انگیز حوادث ناکام ہو چکے تھے۔ صلاحیتیں مقفل

نقیب ختم نبوت (9) جولائی 2004ء

دین و دانش

تھیں جن کو بروئے کار لانے سے تعلیم و تربیت کا نظام اور ماحول اور سوسائٹی کے اثرات قاصر تھے۔ درس گاہوں کا وجود لا حاصل تھا جن کو کارآمد اور نتیجہ خیز بنانے میں اہل علم اور اہل درس بے بس تھے۔ عدالتیں کھلے ہونے کے باوجود مقفل تھیں جن سے انصاف حاصل کرنے کے لیے مظلوموں اور محکوموں کی فریادیں بے اثر تھیں، خاندانی مسائل الجھے ہوئے تھے جن کو سلجھانے سے مصلحین و مفکرین عاجز تھے۔ قصر ہائے سلطنت مقفل تھے جن میں راہ پانے سے محنت کش کسان پسے ہوئے مزدور اور مظلوم رعایا محروم تھی۔ دولت مندوں اور امیروں کے خزانے مقفل تھے جن کے قفل کھولنے سے ناداروں کی بھوک ان کی عورتوں کی برہنگی اور ان کے دودھ پیتے بچوں کی گریہ و زاری عاجز تھی۔ بڑے بڑے مصلحین عزائم کے ساتھ میدان میں آئے۔ بڑے بڑے قانون ساز کمر بستہ ہوئے لیکن ان بے شمار قفلوں میں سے کوئی ایک قفل بھی کھولنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ ان تالوں کی اصل کنجی ان کے ہاتھ نہ تھی، وہ کنجی گم ہو چکی تھی اور تالا بغیر اپنی کنجی کے کبھی کھل نہیں سکتا۔ انہوں نے اپنی بنائی ہوئی کنجیوں سے کام لینا چاہا لیکن وہ ان تالوں کو کھولنے کے بجائے توڑنے کی کوشش کی مگر اٹلے اس کوشش میں ان کے اوزار ٹوٹ گئے اور ہاتھ بھی زخمی ہو گئے۔

ایسے وقت میں متمدن دنیا سے الگ تھلگ ایک چھوٹے سے خشک پہاڑ کے اوپر گمنام اور ظاہری اعتبار سے بے حیثیت مقام (غار حرا) میں دنیا کا وہ عقدہ لا ینحل حل ہوا جو نہ بڑی حکومتوں کی راجدھانیوں میں حل ہو سکا نہ عظیم الشان درس گاہوں میں حل ہو سکا اور نہ علم و ادب کے پر شکوہ ایوانوں میں حل ہو سکا۔ یہاں پروردگارِ عالم نے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی صورت میں عالم انسانیت پر ایک احسان عظیم کا دروازہ کھولا اور صدیوں کی گم شدہ کنجی پھر سے انسانیت کو مل گئی۔ یہ کنجی ہے ایمان اللہ پر اس کے رسول پر اور یوم آخرت پر۔ اس کنجی سے آپ نے صدیوں کے ان بند قفلوں کو ایک ایک کر کے کھول ڈالا جس کے نتیجے میں حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ کے دروازے چوہٹ کھل گئے۔ آپ نے جب نبوت کی اس کنجی کو عقل کے قفل پر رکھا تو اس کی ساری گرہیں کھل گئیں۔ اس کی سلوٹیں اور اس کے پیچ و خم دور ہو گئے۔ اسے نشاطِ فکر حاصل ہو گیا اور وہ اس قابل ہو گئی کہ نفس و آفاق میں پھیلی ہوئی خدا کی نشانیوں سے نفع اندوز ہو سکے۔ اس کائنات میں غور کر کے اس کے خالق کو پاسکے، کثرت کے پردوں کو چیر کر وحدت کا جلوہ دیکھ سکے اور شرک و بت پرستی اور اہام و خرافات کی لغویت کو محسوس کر سکے۔ حالانکہ اس سے پیشتر یہ عقل ان باتوں میں دخل دینے کی مجاز نہ تھی اور صدیوں سے اپنے منصب سے معزول تھی۔ اس کنجی سے آپ نے انسان کے ضمیر کا قفل کھولا، سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا اور اس کے مردہ شعور و احساس میں حرکت اور زندگی پیدا ہوئی۔ ضمیر کی روک تھام سے آزاد ہو کر نفس انسانی جو صدیوں سے نفس امارہ (برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا) بنا ہوا تھا۔ اب وہی نفس، نفسِ لواۓ (غلطی پر سخت سرزنش اور ملامت کرنے والا) میں تبدیل ہوا اور نفسِ لواۓ دیکھتے ہی دیکھتے ہی نفسِ مطمئنہ (جس کو پورا سکون اور اطمینان حاصل ہو گیا ہو) بن گیا جس کے بعد اس میں کسی باطل

نقیب ختم نبوت (10) جولائی 2004ء

دین و دانش

کے گھسنے کی گنجائش نہ رہی اور گناہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا۔ اس حد تک کہ گنہگار رسول خدا ﷺ کے سامنے جا کر خود اپنے گناہ کا اظہار و اقرار کر کے اپنے لیے سخت ترین سزا کی درخواست کرتا ہے۔ ایک گنہگار عورت اپنے لیے سنگساری کی سزا کی درخواست کرتی ہے۔ حضور ﷺ عذر شرعی کی وجہ سے سزا کو کچھ دن کے لیے موخر فرماتے ہیں۔ وہ اپنے دیہات کو واپس چلی جاتی ہے نہ اس کی نگرانی کے لیے سی آئی ڈی متعین ہے نہ مجرمہ کو وقت پر دوبارہ حاضر کرنے کے لیے پولیس متعین ہے لیکن وہ بروقت پھر مدینہ میں پہنچتی ہے اور خود کو اس سزا کے لیے بخوشی اور باصرار پیش کرتی ہے جو یقیناً قتل سے بھی زیادہ سخت ہے (یعنی سنگساری)۔ فتح ایران کے وقت ایک غریب فوجی کے ہاتھ کسری کا تاج زریں آتا ہے۔ وہ اس کو کپڑوں میں چھپا لیتا ہے اور خفیہ طور سے اپنے امیر کی خدمت میں لے جا کر پیش کر دیتا ہے تاکہ ادائے امانت تو ہو لیکن امانت داری کی نمائش نہ ہو۔

انسانوں کے وہ دل جو اس طرح مقفل پڑے ہوئے تھے کہ نہ ان میں عبرت پذیری تھی نہ خوفِ خدا تھا اور نہ رقت اور نرمی تھی۔ یہ کنجی جب ان کے دلوں پر لگائی گئی تو یکسر کایا پلٹتی ہوئی نظر آئی۔ اب وہ خدا کے خوف سے ہر دم لرزاں و ترساں تھے۔ حوادث و واقعات سے عبرت حاصل کرتے تھے۔ انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی نشانیوں کا وجود اب اُن کے لیے نفع بخش تھا، مظلوموں کا حال زار دیکھ کر ٹپ جاتے تھے اور غریبوں، بیکسوں کے ساتھ نفرت و حقارت کا برتاؤ کرنے کے بجائے محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے لگے۔ اسی طرح نبوت کی اس کنجی نے جب انسانوں کی ان فطری صلاحیتوں اور قوتوں کو چھوا جو عرصہ سے ٹھٹھری پڑی تھیں اور نفع بخش ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہو رہی تھیں تو وہ شعلوں کی طرح بھڑک اٹھیں اور سیلاب کی طرح موجیں مارتی ہوئی اہل پڑیں اور صحیح رخ پر لگ گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلاحیتوں کے ابھرنے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے جو لوگ بکریوں کی گلہ بانی میں ضائع ہو رہے تھے۔ وہ بہترین طور سے قوموں کی نگہبانی اور عالم کی فرمانروائی کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے لگے اور جو شخص کل تک صرف کسی ایک قبیلے یا ایک شہر کا نامور شہسوار شمار کیا جاتا تھا وہ اب بڑی بڑی سلطنتوں اور ایسے ایسے ملکوں کا فاتح ثابت ہوا جو قوت و شوکت میں یکتا تھا۔

اس کنجی سے آپ نے درس گاہوں کے قفل کھولے اور ان میں از سر نو چہل پہل اور رونق پیدا کی۔ حالانکہ علم کی کسما د بازاری اور معلمین کی کسمپرسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ نہ معلمین کو دلچسپی رہی تھی اور نہ متعلمین کو۔ آپ نے علم کی قدر و قیمت یاد دلائی، اہل علم کا مرتبہ بتلایا اور علم و دین کا باہمی تعلق سمجھایا۔ چنانچہ لوگ درس گاہوں کی ترقی کے لیے دامے درمے قدمے کوشاں ہو گئے، مسلمان کا ہر گھر اور ہر مسجد بجائے خود ایک مدرسہ بن گئی۔ ہر مسلمان اپنے حق میں معلم اور دوسرے کے حق میں معلم بن گیا کیونکہ ان کا دین ہی خود طلب علم کے لیے سب سے بڑا محرک تھا۔

آپ نے اسی کنجی سے عدالت کا قفل ختم کیا۔ اب ہر قانون دان اس قابل تھا کہ اس پر ایک منصف جج کی

نقیب ختم نبوت (11) جولائی 2004ء

دین و دانش

حیثیت سے اعتماد کیا جاسکے اور ہر مسلمان حاکم اعلیٰ درجہ کا منصف شعار حاکم تھا۔ اور یہ سچے مسلمان سب کے سب محض اللہ کے لیے سچی شہادتیں دینے والے تھے جب اللہ اور آخرت کے حساب و کتاب پر ایمان استوار ہوا تو عدل و انصاف کی فراوانی ہوئی، بے انصافیاں اور بد معاملکیاں کم سے کم تر ہو گئیں اور جھوٹی شہادتیں اور ظالمانہ فیصلے ناپید ہو گئے۔ خاندانی معاملات جو اس قدر اتر ہو گئے تھے کہ باپ بیٹے کے درمیان، بھائی بھائی کے درمیان، شوہر اور بیوی کے درمیان کشاکش اور جھین جھپٹ کا میدان گرم تھا۔ پھر یہ بیماری خاندانوں کے محدود میدان سے نکل کر معاشرہ کے وسیع میدان میں بھی پہنچ گئی تھی، یہی کشاکش نوکر اور مالک کے تعلقات میں بھی برپا تھی۔ حاکم اور رعیت کے تعلقات میں بھی برپا تھی۔ بڑے اور چھوٹے کے تعلقات میں بھی برپا تھی، ہر ایک کا یہ حال تھا کہ اپنا حق کسی طرح چھوڑنا نہ چاہتا تھا اور دوسرے کا حق کسی طرح دینا نہ چاہتا تھا۔ خود اگر کوئی چیز خریدتا تو ناپ تول میں ذرا ذرا سی اونچ نیچ پر باریک بینی سے نظر رکھتا لیکن اگر وہ دوسرے کے ہاتھ کچھ بیچتا تو کم سے کم ناپنے اور تولنے میں پوری پوری مہارت بہم پہنچاتا:

إِذَا كُنَّا لِلْأَعْلَىٰ النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كُنَّا لِلْأَسْفَلِ نُوَدُّهُمْ يُخْسِرُونَ آپ نے اس خاندانی اور معاشرتی نظام کے عقودوں کا حل بھی اسی کنجی سے کیا۔ خاندان اور معاشرہ میں ایمان کا بیج بویا۔ لوگوں کو اللہ کی ناراضی سے ڈرایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا (اس طرح) کہ اس کا ایک جوڑا پیدا کیا اور دونوں (کی نسل) سے پھیلا دیئے۔ بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم مانگتے ہو اور قراتوں کا خیال رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔“

آپ نے خاندان اور معاشرہ کے افراد میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں ڈالیں۔ اسی طرح از سر نو خاندانی نظام کو بھی عدل، محبت اور راستی کی بنیادوں پر قائم فرمایا اور معاشرہ کو بھی اعلیٰ درجہ کا عدل شعار بنایا۔ معاشرہ کے ہر عضو میں امانت داری کا ایسا گہرا شعور اور خدا ترسی کا ایسا شدید احساس بیدار کر دیا کہ اس معاشرے کے امراء اور عہدیداران تک پر ہیز گاری اور سادہ زندگی کے نمونے بن گئے۔ قوم کے سردار اپنے تئیں قوم کے خادم سمجھنے لگے۔ والیان سلطنت اپنی حیثیت یتیموں کے سرپرست سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے کہ اگر اپنی ذاتی ملکیت کچھ ہے تو سلطنت کے مال و دولت سے کچھ مطلب نہیں اگر نہیں ہے تو بقدر ضرورت لینے پر قناعت ہے۔ اسی ایمان کی بدولت آپ نے دولت مندوں اور تاجروں میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے دلچسپی پیدا کی۔ انہیں بتلایا کہ مال اصل میں اللہ کا ہے تمہیں اس نے اس کے تصرف میں

نقیب ختم نبوت (12) جولائی 2004ء

دین و دانش

اپنا نائب بنایا ہے۔

وَأَنْفَقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ط

”اور خرچ کرو اس (مال و دولت) میں سے جس میں اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے اور دو ان کو (ضرورت مندوں کو) اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔

انہیں تجویزوں میں بند کر کے رکھنے اور راہ خدا میں خرچ نہ کرنے کے لیے یہ کہہ کر ڈرایا:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتْكُوى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنْزْتُمْ لَا نَفْسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ O
 ”اور وہ لوگ جو سونا چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں بشارت دے دیجئے دردناک عذاب کی اس دن جبکہ ان کے خزانوں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیاں، کروٹیں اور پشتیں داغی جائیں گی لو! یہ ہے تمہارا جمع کیا ہوا بچکھو اس کا مزہ۔“

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعہ سے جس فرد کو تیار کر کے کارگہ حیات میں اتارا تھا وہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا۔ نیک خوئی کو پسند کرنے والا۔ اللہ کے خوف سے ڈرنے اور لرزنے والا۔ امانت کا پاس کرنے والا دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا اور اپنی روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لیے بنائی گئی ہے لیکن میں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہوں پس یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترتا تو نہایت محنتی اور بہی خواہ مزدور ثابت ہوتا۔ اگر مالدار ہو جاتا تو ایک رحم دل اور فیاض دولت مند ثابت ہوتا۔ اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو بھیتا۔ اگر کرسی عدالت پر بٹھا دیا جاتا تو نہایت سمجھدار اور منصف جج ثابت ہوتا۔ اگر صاحب سلطنت ہوتا تو ایک مخلص اور بے غرض حکمران ثابت ہوتا۔ اگر آقا ہوتا تو رحم دل اور منکسر المزاج آقا ہوتا۔ اگر نوکر ہوتا تو نہایت چست اور فرماں بردار نوکر ہوتا اور اگر قوم کا مال و دولت اس کی تحویل میں آ جاتا تو حیرت انگیز بیداری اور باخبری سے اس کی نگرانی کرتا۔

یہ تھیں وہ اینٹیں جن سے اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی گئی اور جن پر اسلامی حکومت کی عمارت کھڑی کی گئی۔ اسی بنا پر سوسائٹی اور یہ حکومت ایک بڑے پیمانہ پر افراد کے اخلاق کی نفسیات اور ان کے طرز حیات کا مظہر تھی۔ افراد میں جو چیزیں تھیں وہ سب کی سب معاشرہ میں جمع ہو گئی تھیں۔ اس کے تاجر کی سچائی اور ایمان داری اس میں تھی۔ اس کے غریب کی خودداری اور مشقت کشی اس میں تھی۔ اس کے مزدور کی محنت کشی اور بہی خواہی اس میں تھی۔ اس کے جج کی فراست اور عدالت اس میں تھی، اس کے آقا کا انکسار اور رحم دلی اس میں تھی، اس کے خادم کی جفا کشی اور چستی اس میں تھی، اور اس کے

نقیب ختم نبوت (13) جولائی 2004ء

دین و دانش

خزانچی کی نگرانی اور بیداری بھی اس میں پوری پوری موجود تھی، اسلامی سوسائٹی جس طرح اپنے افراد کی خوبیوں کی مظہر اتم تھی، اسی طرح اسلامی حکومت بھی تمام خوبیوں کی جامع بلکہ ان کا قومی محرک بن گئی تھی۔ یہ حکومت راست رو تھی۔ عقیدوں اور اصولوں کو منافع اور مصالح پر ترجیح دیتی تھی۔ عوام کو لوٹنے کے بجائے ان کے اخلاق و عقائد کو بنانے اور سنوارنے کی دل سوزی سے کوشش کرتی تھی۔ سوسائٹی اور حکومت کے اثرات کا نتیجہ یہ تھا کہ انفرادی اور اجتماعی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کا ہر گوشہ ایمان و عمل، صدق و خلوص، محنت و کوشش اور عدل و انصاف سے سجا ہوا اور ان سدا بہار پھولوں کی خوشبو سے مہرکا ہوا تھا۔

غارِ حرا پر کھڑا کھڑا یہ تمام باتیں اپنے دل میں سوچ رہا تھا۔ میں اپنے ان خیالات اور عہد رفتہ کی یاد میں غرق ہو گیا کہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے وجود سے بالکل بے خبر ہو گیا۔ میرا تصور مجھے اپنے ماحول اور اپنے زمانہ سے اڑا کر الگ لے گیا۔ میری نگاہوں میں اس عہد رفتہ کی عمومی اسلامی زندگی کی تصویر پھرنے لگی۔ میں اس کا رخ جمال اور ایک ایک خط و خال دیکھنے لگا۔ اور بالکل ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہی زندگی میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور میں اس کی روح نواز فضاؤں میں سانس لے رہا ہوں۔ اسی عالم تصور میں مجھے اپنے زمانے کا خیال آیا جس کی فضا میں واقعی میں سانس لیتا ہوں میں نے کہا کہ آج بھی زندگی کی کامیابی اور خوش گواری کے دروازوں پر کچھ نئے قسم کے تالے پڑے نظر آ رہے ہیں مسائل میں پھیلاؤ اور تنوع کی کوئی حد نہیں ہے اور اسی نسبت سے الجھاؤ اور پیچیدگیاں بھی بڑھ گئی ہیں تو کیا اس حالت میں بھی اسی پرانی کنجی سے یہ نئے قفل کھل سکتے ہیں؟

یہ سوال میرے دل میں پیدا ہوا مگر میں نے کہا کہ جب تک میں ان تالوں کو اچھی طرح دیکھ بھال کے ان کی حقیقت نہ معلوم کر لوں مجھے کوئی جواب نہ دینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے جوان تالوں کو ہاتھ لگایا تو حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ تالے نئے نہیں ہیں، وہی پرانے ہیں صرف رنگ و روغن نیا ہے اور نہ یہ پیچیدگیاں اور الجھنیں نئی ہیں ان کی جڑ تو ہو ہو پرانی ہے آج بھی اصل مسئلہ فرد کا مسئلہ ہے جو سارے دوسرے مسائل کا سراپا ہے اور یہی ہمیشہ انسانی زندگی کا اصل مسئلہ رہا ہے کیونکہ فرد وہ اینٹ ہے جس سے سوسائٹی اور حکومت بنتی ہے۔ اور اس کا حال آج یہ ہو گیا ہے کہ مادہ اور قوت کے سوا کسی چیز کو ماننے کے لیے یہ تیار نہیں ہے۔ اپنی ذات اور خوشحالت کے ماسوا سے کسی چیز سے مطلب نہیں ہے۔ اس دنیا کی قدر و قیمت اس کی نظر میں حقیقت سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ لذت اور خوشحالت کی بندگی حد سے گزر گئی ہے، اور اپنے پروردگار سے انبیاء کی رسالت سے، اور عقیدہ آخرت سے رشتہ بالکل ٹوٹ چکا ہے پس یہی فرد کا بگاڑ ہے جو سوسائٹی کے بگاڑ کا سرچشمہ اور تہذیب کی بدبختی کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرد اگر تجارت کرتا ہے تو لالچی اور ذخیرہ اندوزی کا بدترین مظاہرہ کرتا ہے۔ ارزانی کے وقت مال روک لیتا

نقیب ختم نبوت (14) جولائی 2004ء دین و دانش

ہے اور گرانی کے زمانہ میں نکالتا ہے اور اس طرح لوگوں کو بھوک اور پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ یہ فرد اگر مفلس ہوتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اپنی مفلسی کو دور کرنے کے لیے خود کچھ نہ کرے اور دوسروں کی محنتوں کا پھل مفت میں کھالے، اگر مزدوری کرتا ہے تو فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے لیکن مزدوری پوری لینا چاہتا ہے، اگر دولت مند ہوتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا کنجوس اور سنگ دل ہوتا ہے، اگر صاحب اقتدار ہوتا ہے تو لیسر اور بددیانت ثابت ہوتا ہے، اگر مالک ہوتا ہے تو ایک ظالم اور خود غرض مالک ثابت ہوتا ہے جو اپنے قائدے اور اپنے آرام کے سوا کچھ دیکھنا نہیں جانتا۔ اگر نوکر ہوتا ہے تو کام چور اور بے ایمان اگر خزانچی بنادیا جاتا ہے تو غبن کرتا ہے، اگر حکومت کا وزیر یا جمہوریہ کا صدر ہو جاتا ہے تو شکم پرور، روح سے بے خبر اور بندہ نفس ثابت ہوتا ہے جو صرف اپنی ذات اور اپنی پارٹی کے فائدے کو دیکھتا ہے، اگر لیڈر بن جاتا ہے اور بہت ہی ترقی پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے تو بھی اس قوم اور وطن کے حدود سے آگے نہیں بڑھنے پاتا اور اپنے وطن اور قوم کی عزت بڑھانے کے لیے دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں کی عزت و آبرو خاک میں ملانے سے کسی وقت بھی گریز نہیں کرتا، اگر قانون سازی کا اختیار ہاتھ میں آ جاتا ہے تو ظلم کے قانون اور بڑے بڑے ٹیکس مسلط کر دیتا ہے اگر اس کے دماغ میں ایجاد و انکشاف کی صلاحیت ہوتی ہے تو ہلاکت برسانے والے اور تباہی پھیلانے والے آلات ایجاد کرنے لگتا ہے، زہریلی گیسیں ایجاد کرتا ہے جو نوع انسانی کو ہلاک کر دیں، بمبار طیارے اور ٹینک بناتا ہے جو بستیوں کو کھنڈر اور راکھ کا ڈھیر بنا ڈالیں، ایٹم بم بناتا ہے جس کی ہلاکت خیزیوں سے نہ انسان بچ سکتے ہیں اور نہ حیوان نہ کھیت نہ باغات اور جب اس فرد کو ان ایجادات کے استعمال کرنے کی قوت بھی مل جاتی ہے تو بستیاں کی بستیاں اندھا دھند نشانے پر رکھ لیتا ہے اور ان کی آن میں زندوں کے شہر، شہر خموشاں بنا ڈالتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب اچھے افراد سے مرکب ہونے والا معاشرہ اور ان سے تیار ہونے والی حکومت ان افراد کی تمام خوبیوں کی آئینہ دار ہوتی ہے تو برے افراد سے تیار ہونے والا معاشرہ اور حکومت دونوں لامحالہ ان تمام افراد کی تمام برائیوں اور بیماریوں کی حامل ہوگی، اس میں تاجروں کی ذخیرہ اندوزی بھی ہوگی، نفع کا لالچ بھی ہوگا، تنگ دستوں کی سرکشی بھی ہوگی، مزدوروں کی کم محنت اور زیادہ اجرت کی بری عادت بھی ہوگی، دولت مند کی ہوس کے جراثیم بھی اڑ کر اسے لگیں گے، اپنے حکمران کی بد نیتی اور عیاری بھی اس میں پھیلے گی، مالکوں کا جو رستم بھی اس کی عادت میں داخل ہوگا، نوکر کی خیانت اور خازن کا غبن بھی اس میں سرایت کرے گا، ذرائع کی نفع پرستی اور لیڈروں کی وطن پرستی بھی گل کھلائے گی، قانون سازوں کے اندھیرا اور سائنس دانوں کی بے راہ روی بھی اپنا جوہر کھلائے گی اور زرداروں کی سنگ دلی بھی اس پورے معاشرہ اور حکومت میں رنگ لائے گی۔

یہ ہے وہ اصل مادہ فساد جس کے لطن سے وہ تمام بیماریاں، وہ تمام الجھنیں اور تمام پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں جن

نقیب ختم نبوت (15) جولائی 2004ء دین و دانش

سے انسانیت پریشان، اواز و نزار ہے، اس مادہ فساد کا نام ہے مادہ پرستی کا ذوق یا مادہ اور اس کے مظاہر ہی کو سب کچھ سمجھنے کا عقیدہ! بلیک مارکٹنگ اسی کا قدرتی نتیجہ ہے، رشوت ستانی اسی کا ادنیٰ کرشمہ ہے، ہوش ربا گرانی اور مہنگائی اسی کا ایک شگونہ ہے، ذخیرہ اندوزی اسی کا عطیہ ہے، افراط زر اسی کا ثمرہ ہے۔ آج کے مفکرین اور مقتنین آج تک ان مشکلات کا کوئی کامیاب حل نہیں ڈھونڈ کر لاسکے، ایک مشکل کو حل کرتے ہیں تو دوسری نئی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ ایک گرہ کھلتی ہے تو کئی اور نئی گرہیں لگ جاتی ہیں، بلکہ اب تو یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ان کی عقدہ کشائی بجائے خود نئے نئے عقدوں کو جنم دے رہی ہے، جیسے عطائی طیب کے علاج سے صحت کے بجائے کچھ نئے نئے مرض اور پیدا ہو جائیں۔ یہ اس مریض پر روز نئے تجربے کر رہے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ شخصی حکومت ان تمام امراض کا سبب ہے۔ لہذا اسے ختم کر کے جمہوری طرز حکومت کی بنیاد ڈالی مگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو بعض نے پھر آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کو اختیار کیا، اس سے اور خرابیاں بڑھتے دیکھیں تو پھر جمہوریت کی طرف رجوع کیا، ایسے ہی کبھی نظام سرمایہ داری کو اختیار کیا، اس سے اور گرہیں بڑھیں تو کمیونزم اور سوشلزم کو اپنے درد کا درماں سمجھ لیا مگر معاملہ کی نوعیت ذرا نہ بدلی اور مشکلات جوں کی توں قائم یا پہلے سے کچھ دشوار ہو گئیں کیوں؟ اس لئے کہ یہ ساری تبدیلیاں اور سارا رد و بدل اوپر اوپر ہوتا رہا اور مشکلات کی جو جڑ اور بنیاد ہے یعنی فرد اور اس کا بگاڑ! اس کو ہاتھ نہیں لگایا گیا اس میں کسی اصلاح و تغیر کی کوشش نہیں کی گئی اور قصد ایلا قصد اس حقیقت سے غفلت ہوتی گئی کہ اصل فساد ٹیڑھ میں ہے جس کی بدولت معاشرہ اور حکومت میں بھی ٹیڑھ پیدا ہو گئی ہے۔

لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر یہ مفکرین و مصلحین اس حقیقت کو خوب سمجھ بھی لیتے اور برائیوں کی اس جڑ کو پا بھی لیتے تب بھی اس کا علاج ان کے بس کی بات نہ تھی۔ مانا کہ ان کے پاس اشاعت علم کے مؤثر ذرائع ہیں۔ اور یہ دور ہی تعلیم و تربیت کا دور ہے مگر ان کے ہاتھ میں وہ طاقت نہیں ہے جس سے فرد کا رخ، شر سے خیر کی طرف اور تخریب سے تعمیر کی طرف موڑ دیں۔ کیونکہ ان کے دل و دماغ، روحانیت بلکہ روح کی وقعت ہی سے عاری اور ایمان سے خالی ہیں، ان کے پاس دل کو غذا دینے اور اس میں ایمان کا پودا لگانے کا سامان نہیں ہے۔ ان کے ہاتھوں سے وہ چیز نکل چکی ہے جو عبد و معبود کے درمیان رشتہ جوڑے، اس زندگی کے ساتھ دوسری زندگی کا تعلق قائم کرے، روح و مادہ کے درمیان توافق پیدا کرے اور علم کو اخلاق سے وابستہ کرے، ان کے روحانی افلاس، اندھی مادیت اور غرور عقل نے تو اب اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ تخریب و تباہی کا آخری تیر بھی اپنے ترکش میں جمع کر لینا چاہتے ہیں جس کی ہلاکت خیزیوں سے انسانیت کا پورا کنبہ نیست و نابود اور پورا کرۂ ارض اجاڑ اور ویران ہو سکتا ہے۔ خدا نخواستہ اگر اس وقت دنیا کی مختار طاقتوں نے ان خوفناک ہتھیاروں کے ساتھ جنگ کا میدان گرم کیا تو یقیناً ان کے یہ نوا پیداؤلات، تہذیب و انسانیت کا خاتمہ کر دیں گے۔